توراۃ کے دس احکام
اور
قرآن کے دس احکام

از

حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن)

اب آئیے اور قرآن کے دس احکام والی سورہ کی مشہور آیت

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ	پوچھتے ہیں تجھ سے "الروح" کے متعلق کہہ دے کہ
مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ، وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ	"الروح" میرے پروردگار کے حکم میں سے ہے اور
اِلَّا قَلِيْلًا ۝	نہیں دیئے گئے تم علم سے مگر بہت تھوڑا۔

پر غور کیجئے۔ سوچئے کہ جس خاص سورہ اور خاص محل و مقام پر یہ آیت پائی جاتی ہے بلکہ اس کے بعد جو یہ فرمایا گیا ہے کہ

"اور ہم اگر چاہیں تو اٹھالیں اس کو جو تم پر ہم نے وحی کی ہے، پھر نہ پاؤ تم اپنے لئے اسی وحی کے متعلق ہم سے مقابلہ میں کوئی وکیل"

یعنی وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝ کا ترجمہ اور حاصل ہے، اس کو بھی پیش نظر رکھ لیجئے اور غور کیجئے کہ "اَلرُّوْحُ" کے متعلق جو یہ سوال کیا گیا تھا اس سوال کا مقصد کیا تھا؟ یا کیا ہو سکتا تھا۔

قرآن میں ٹھیک یہی یَسْـَٔلُوْنَكَ کے لفظ سے بیسیوں چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے مثلاً الخمر، المیسر، الیتامی، الاھلّہ، الجبال اور اسی قسم کے دوسرے امور کے ساتھ ہم اسی یَسْـَٔلُوْنَكَ کے لفظ کو پاتے

ہیں۔ ظاہر ہے کہ جن چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا اور پوچھا گیا تھا پوچھنے والوں کی غرض بھی یہ نہ تھی کہ ان کے فلسفیانہ حقائق بتائے جائیں اور جواب میں ان سوالوں کے جو باتیں کہی گئی ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پوچھنے والوں کا مطلب یہ نہ تھا کہ مثلاً خمر (شراب) کے ترکیبی اجزاء یا الجبال (پہاڑ) کی تعمیر میں کن کن چیزوں سے کام لیا گیا ہے ان باتوں کا جواب وہ دریافت کرنا چاہتے تھے بلکہ صاف کھلی ہوئی واضح بات یہی ہے کہ ان امور کے کسی خاص پہلو مثلاً شراب کے پینے نہ پینے، یا المیسر (جوا) کے کھیلنے نہ کھیلنے کے متعلق دریافت کیا گیا۔ اور سوال کے مطابق جواب دے دیا گیا۔ پھر الروح کے متعلق جو سوال کیا گیا تھا آخر یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ پوچھنے والے روح کی حقیقت دریافت کرنا چاہتے تھے تفسیری روایتوں میں جب یہ بیان بھی کیا گیا ہے کہ "الروح" کے متعلق یہ سوال یہودیوں کی طرف سے پیش کرایا گیا تھا تو یہی کافی قرینہ تھا کہ خالق کائنات ہی کو الٰہ اور اپنا معبود بنانا" حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس پیغام سے یہود جب ہٹے اور اسی سلسلہ میں ایک گروہ جہاں ان میں ان لوگوں کا پیدا ہو گیا تھا۔ جو بجائے خالق کے اپنے باہر پائے جانے والے مخلوقات کے ساتھ اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کے لئے بندگی، اور عبادت کا رشتہ جوڑتا رہتا تھا۔ یعنی مشرکانہ ذہنیت کے شکار ہوتے رہتے تھے۔ وہیں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں ان ہی یہودیوں میں ایسے افراد بھی پیدا ہونے لگے جو بجائے باہر کے خود اپنے اندر کی قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی کوشش میں مشغول رہتے تھے، یہی ان کا روحانی کاروبار تھا، ان کا خیال تھا کہ الروح میں غیر معمولی امکانات پوشیدہ ہیں ان ہی امکانات کو فعلیت کا قالب خاص خاص قسم کے مشاغل اور کرتبوں کی راہ سے عطا کیا جا سکتا ہے، اس میں شک نہیں کہ عام طور پر یہود ظاہر پرستی یا مذہبی رسوم کے خشک ڈھانچوں سے دل چسپی لینے والی قوم سمجھی جاتی ہے، کچھ ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں جن رجحانات کی تعبیر پچھلی چند صدیوں سے لوگ تو ھب یا وہابیت کے الفاظ سے کرتے ہیں یہود کی فطرت پر شاید یہی رنگ غالب تھا لیکن میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اسپرچولزم (روحانیت) یا تصوف (اشراق)، یہ یہودیوں کا مخصوص باطنی علم تھا۔ کم از کم یورپ والوں کو ان چیزوں سے روشناس سب سے پہلے یہودیوں ہی نے کیا۔ "تاریخ فلسفہ" میں دیبر نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ یہودیوں کی مذہبی زبان عبرانی (جرمن) سے یورپ والوں کی دل چسپی زیادہ تر یہود کے علم باطن ہی کی رہین منت ہے مغربی

فلسفہ کی ارتقائی رفتار میں کام کرنے والی ہستیوں میں پندرہویں صدی عیسوی کا ایک فلسفی کونٹ جان پائیکو بھی ہے ویبیر نے اسی جان پائیکو کے متعلق لکھا ہے کہ

"یونانی علم وادب کے مطالعہ کے علاوہ عبرانی زبان کے حاصل کرنے کی وہ (کونٹ پائیکو) تاکید کرتا ہے :"

وجہ یہ لکھی ہے کہ

"اسے (کونٹ جان پائیکو) کو اس بات کا یقین تھا کہ یہودی علم باطن بھی ایسا ہی "اہم سرچشمۂ حکمت" ہے جیسے افلاطون اور عہد جدید (یعنی انجیل) تاریخ فلسفہ ص۲۳

اور اسی کونٹ جان پائیکو کے نقش قدم پر چلنے والے ویبیر (ترجمہ) روشلن کے متعلق ویبیر ہی نے خبر دی ہے کہ

"اپنے ملک میں کلاسیکل اور عبرانی لسانیات کا وہ بانی ہوا"

اسی موقعہ پر ویبیر نے یہودیوں کے اس علم اشراق اور روحانیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"تھیاسوفی اس راز سربستہ (الروح) سے آگاہ ہونے پر قانع نہیں، نہ فطرت کو جان لینا اس کے لئے کافی ہے، بلکہ اس کی آرزو دہی ہے جو بعد میں فرانسس بیکن میں پیدا ہوتی کہ فطرت پر غور کیا جائے اور اس پر حکومت کی جائے"

آگے وہی لکھتا ہے کہ

"جس طرح اس کو تھیاسوفی کو غیبی طریقے سے اشیاء کے حصول علم کا دعوی ہے اسی طرح مخفی فنون پراسرار اعمال اور منتروں سے اس پر تصرف کرنے کا بھی مدعی ہے۔ بالفاظ دیگر تھیوسوفی طلسم و کرامات بن جاتی ہے جادو کی بنیاد اسی اشراقی اصول پر قائم ہے۔" ص۲۳ کتاب مذکور

بہرحال روح تو روح جب جسم اور بدن کی حقیقت تک کا پتہ چلانا آسان نہیں ہے[1] تو الروح کی حقیقت

---

[1] مطلب یہ ہے کہ ہمارے سامنے ذرہ سے آفتاب تک چھوٹی بڑی چیزیں جو پھیلی ہوئی ہیں، ان کے متعلق یہ سوال کہ وہ کس لئے ہیں؟ ایسا سوال ہے جس کا جواب پوچھنے والوں کو ہمیشہ ملتا رہا ہے آج بھی مل رہا ہے۔ آئندہ بھی ملتا رہے گا

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

دریافت کرنے کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں۔

اور سوال کے الفاظ میں تو خیر گونہ احتمال اور گنجائش بھی پیدا ہو سکتی تھی، لیکن اللہ کے نیک بندوں کو قرآن کے جواب سے کم از کم سمجھ لینا چاہئے تھا کہ ایسی بات جو ساری خلقت پر صادق آتی ہے یعنی رب کے امر اور حکم سے ہونا ایسے عام مجمل الفاظ سے روح کی حقیقت کا کیا سراغ مل سکتا ہے۔ آخر دنیا کی ایسی کون سی چیز ہے جو اللہ کے امر اور حکم سے پیدا نہیں ہوئی ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ سوال کا رخ روح کی حقیقت کی طرف پھیرنے والے قرآنی جواب کے اجمال سے متحیر و مبہوت ہو جاتے ہیں، سوال کا یہ پہلو تو دلوں کو بڑی امنگوں سے بھر دیتا ہے لیکن جواب میں جب کچھ نہیں ملتا تو پھر زور اور زبردستی سے کام لیا جاتا ہے علامہ شوکانی نے اپنی تفسیر فتح القدیر میں آج سے سو سوا سو[۱۲۵] برس پہلے کی یہ رپورٹ روح کے متعلق کسی صاحب تحقیق کے حوالہ سے جو نقل کی ہے یعنی

ان اقوال المختلفین فی الروح بلغت الی ثمانیۃ عشر مائۃ قول ج۵ ص۲۴۴

روح کے متعلق مختلف اقوال و نظریات کی تعداد اٹھارہ سو تک پہنچ چکی ہے

واللہ اعلم اس سے ان کی مراد کیا ہے؟ مطلقاً الروح کے متعلق نظریات و اقوال کی یہ تعداد ہے یا قرآنی جواب کے مجمل الفاظ کی تفسیر و توضیح میں ذہنی زور آزمائیوں کی نمائش تیرہ سو صدیوں میں مختلف طبقات کی طرف سے جو ہوتی رہی ہے یہ اٹھارہ سو اقوال اس سے پیدا ہوئے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حکمت و سائنس کی ساری ترقیوں کی بنیاد اسی سوال پر قائم ہے اسی سوال نے برق بھاپ پٹرول معدنی زیتوں وغیرہ چیزوں کے استعمال کا سلیقہ آدمی میں پیدا کیا۔ لیکن بجائے کس لئے کے یہ کیا ہے؟ اس سوال کو جس چیز کے متعلق جب کبھی اٹھایا گیا ہے تو تجربہ نے ثابت کیا ہے اور آئندہ ثابت ہوتا رہے گا کہ اس کے جواب میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز بہری اور گونگی بنی ہوئی ہے لوگ سوچتے نہیں روح تو روح میں پوچھتا ہوں کہ جسم یا بدن کی حقیقت کیا ہم پر واضح ہو چکی ہے؟ کیا آپ جسم کو دیکھتے ہیں یا دیکھ سکتے ہیں؟ ہوا بھی تو جسم ہے پھر وہ کیوں نظر نہیں آتی؟ وجہ ظاہر ہے کہ جسم کو نہیں بلکہ ہم صرف رنگ کو دیکھتے ہیں، اور رنگ کو بھی نہیں صرف "روشنی" اور "نور" کو، درحقیقت ہماری بینائی مختلف رنگوں کی شکل میں پاتی ہے؟ پھر رنگوں سے جدا ہو جانے کے بعد ہمارا جسم کیا رہ جاتا ہے؟ کون ہے جو اس کا جواب دے سکتا ہے الغرض کس لئے کے جواب میں تو ایک ذرہ بھی اپنے اندر سے جہنم کو نکال کر آپ کے سامنے رکھ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

حالانکہ بات کچھ بھی نہ تھی" تورات کے احکام عشرۃ پر ایمان لانے اور ان ہی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عزم کرنے والی امتِ یہود جن حوادث سے گزری تھی" قرآن کے احکام عشرۃ کو سپرد کرتے ہوئے ان ہی تاریخی حوادث کے متعلق اس قوم اور ملت کو چونکا دیا گیا ہے، جو قرآن کے ان دس احکام کی امین ٹھیرائی جا رہی تھی۔ یہود خالق کو چھوڑ کر اپنے باہر کے مخلوقات کی طرف حاجتوں اور ضرورتوں کے لئے متوجہ ہونے لگے اور جن عاجزیوں، اور بیکسیوں کو قدرت نے انسانی وجود میں صرف اس لئے محفوظ فرمایا ہے کہ خالق کے قدموں تک اپنی ان ہی بے بسیوں اور بے چارگیوں کی راہ سے وہ پہونچ جائے گا۔ ان ہی سے مخلوقات کی نزدیکی ڈھونڈھنے لگے تھے الغرض موحد بننے کے بعد وقتاً فوقتاً یہود مشرک بنتے رہتے ہے۔ پہلے تو اس حادثے کی طرف اشارہ کیا گیا اور اس کے بعد یہودیوں ہی کے پوچھتے ہوئے سوال کو چھیڑ کر بتایا گیا کہ "الروح

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دے سکتا ہے کہ قسم عجب سے اس مشاہدہ کی تکمیل بھی ہو گی لیکن کیا ہے ؟ کے جواب میں پہلے بھی لوگ محروم ہی رہے اور آئندہ بھی رہیں گے نتیجہ الحقائق عسیر (اصادلینی اشیار کی حقیقتوں کا پتہ چلانا بہت دشوار بات ہے پرانے فلسفہ کا یہی مسلمہ نظریہ ہے جدید فلسفہ نے جسے زیادہ واضح اور روشن کر دیا ہے ۱۲۔

لہ اور یہ حادثہ یہود پر پہلی دفعہ پیش نہیں آیا تھا، بلکہ نسلِ انسانی کی پوری تاریخ ان ہی ذہنی اور فکری قلابازیوں کے حوادث سے معمور ہے حضرت آدم علیہ السلام موحد تھے اور کیسے موحد براہ راست حق تعالیٰ سے مکالمے و مناجات سے سرفراز تھے۔ مگر ان کے بعد شرک کا دورہ ان کی اولاد پر پڑا، نہ دیکھیں جیسے سب سے زیادہ تازہ توحیدی عقیدے والی قوم مسلمان اسی کا حال کیا ہے، جب تک تمدن و عمران کی طلسماتی گوناگونیوں سے ناآشنا تھے۔ موحد بنے رہے، لیکن جوں جوں تہذیب و شائستگی علم و حکمت حضارت و امارت میں آگے بڑھے، توحیدی عقیدہ کا زور گھٹتا گیا اور مشرکانہ جراثیم ان میں سرایت ہونے چلے گئے، اسکولوں اور بازاری کتابوں میں آج کل جو یہ پھیلا دیا گیا ہے کہ اپنی حماقت اور بے وقوفی کی وجہ سے پہلے آفتاب و ماہتاب، برق و رعد، آگ وغیرہ چیزوں کو آدمی ڈر کر پوجتا رہا یعنی پہلے مشرک تھا اور رفتہ رفتہ جوں جوں اس کی عقل بڑھتی گئی شرک سے توحید کی طرف وہ آیا بجائے بہت سے خداؤں کے ایک خدا کا قائل ہو گیا۔ بات اگرچہ اسی پر ختم کر دی جاتی ہے، لیکن مطلب یہ ہوتا ہے کہ عقلِ انسانی اس زمانہ میں جب آخری ارتقائی نقطہ تک پہنچ چکی ہے تو اس ایک خدا کی بھی ضرورت باقی نہ رہی لیکن سچ پوچھئے تو یہ نظریہ کہ شرک کے بعد توحید کا عقیدہ پیدا ہوا قوموں کی تاریخی شہادتوں کی بھی تکذیب ہے اور مذاہب و ادیان کی بنیاد پر بھی یہ ایک ابلیسی ضرب ہے یورپ کے اہلِ فکر و نظر اب چونکے ہیں مسٹر مارسٹن نے اس بازاری خیال کی تردید اپنی مشہور کتاب "بائبل کم آلائیز" میں پوری قوت سے کی ہے
(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

کی جن مخفی قوتوں کے سراغ لگانے میں تم کامیاب ہوتے ہو، وہ بھی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے قرآنی معلومات کے مقابلہ میں کسی قسم کی اہمیت دی جائے۔ مسلمانوں کو سمجھانا مقصود ہے کہ جیسے دنیا کی ہر چیز رب کے حکم سے پیدا ہوتی ہے، "الروح" بھی اللہ کے امر سے تعلق رکھنے والی شے ہے۔ واقعہ تو یہ ہے امر رب سے پیدا ہونے والے ذرات سے 'ایٹم بم' کی قوت جب نکالی جاسکتی ہے تو اسی امر رب کا ایک مظہر جب "الروح" بھی ہے تو اس کے غیر معمولی امکانات اور حیرت انگیز صلاحیتوں کے ظہور پر کیوں تعجب کیا جائے۔

یعنی وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا "نہیں دیے گئے ہو تم علم سے مگر تھوڑا"

سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ خدائی مخلوقات یا امر رب کے مظاہر کے متعلق جو علم بھی تمہیں حاصل ہوا ہے وہ اس کے مقابلہ میں بہت معمولی اور قلیل ہے، جس پر ابھی پردہ پڑا ہوا ہے، روزمرہ کے تجربات سے اس کی تصدیق بھی ہو رہی ہے۔

پس کچھ بھی ہو جائے، کسی قسم کے معلومات بھی حاصل کئے جائیں۔ خواہ ان معلومات کا تعلق الروح ہی سے کیوں نہ ہو، اور ان معلومات کی مدد سے خواہ جس قسم کے اعجوبہ طراز کرشمہ نمائیوں کی قدرت آدمی میں پیدا ہو جائے۔ قرآن یہ کہنا چاہتا ہے کہ "القرآن" کی ضرورت بہرحال باقی رہے گی۔ بلکہ "الروح" والے سوال کی آیت سے پہلے، انسانی فطرت کے ایک خاص رجحان کی طرف ان الفاظ میں جو اشارہ کیا گیا ہے کہ

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا

اور ہم جب آدمی کو نعمتوں سے سرفراز کرتے ہیں تو وہ کتراتا اور اپنے پہلو کو لے کر بہت دور نکل جاتا ہے اور جب اسے دکھ پکڑتا ہے، تو بہت زیادہ مایوس بن جاتا ہے۔

اس میں منجملہ دوسری حقیقتوں کے نعمت و راحت، آسائش و آرام کی سہولتوں سے زندگی میں مستفید ہونے کی صورت میں اعراض یعنی حق تعالیٰ سے بے تعلق رہنے کے ساتھ ناءٰی بجانبہ (اپنے پہلو کو لے کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی ہے انھوں نے لکھا ہے کہ "نسلِ انسانی کی قدیم ترین مذہب کی تاریخ توحید سے آخری درجہ تک کے شرک اور بدروحوں کے اعتقاد کی طرف تیز رو پرداز ہے۔" صلاللہ

دور نکل جاتا ہے کہ الفاظ سے جو کچھ بتایا گیا ہے، اسی میں جہاں تک میرا خیال ہے، اہل روح یا روحانی اور باطنی کاروبار والوں کے اس نفسیاتی خصوصیت پر بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ اہل روح کی صلاحیتوں کا تھوڑا بہت علم اور اس علم کی بنیاد پر روح کی قوتوں سے کام لینے کا سلیقہ ان میں جب پیدا ہو جاتا ہے تو بر خود غلطیوں کے شکار ہو کر اپنی برتری اور بلندی کے متعلق طرح طرح کے وساوس اور بیہودہ خیالات وہ پکانے لگتے ہیں جیسے مادی نعمتوں کے نشہ میں بے خود ہو کر کسی زمانہ میں "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (میں ہوں تمہارا سب سے بڑا پروردگار)" کی بڑ زبانوں سے نکلی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ "انا الحق" وغیرہ کے قصوں میں بھی اس قسم کی غلط فہمیاں پوشیدہ نہ تھیں۔ اور یہ تو خیر سینکڑوں سال پہلے کی بات ہے، نہیں کہا جا سکتا کہ اصل واقعہ کیا تھا، تاریخ کی شہادتیں اس باب میں مختلف ہیں ممکن ہے کہ اس کی کوئی ٹوٹی پھوٹی توجیہ کر بھی لی جائے لیکن یہ قصہ تو ہمارے ملک کا ہے، زیادہ زمانہ نہیں گذرا ہے، جب دلی اور نواح دلی میں "رسول شاہیوں" اور "خلیفہ شاہیوں" "نوشاہیوں" وغیرہ کے مختلف ناموں سے اسپریچولزم (روحانیت) کے کاروبار کرنے والوں کی ٹولیاں ملک میں پھیل پڑی تھیں جن کی مشترک خصوصیت یہ تھی کہ "شرعی قوانین" کی پابندیوں سے اپنے آپ کو وہ آزاد سمجھتے تھے، قصے تو ان کے طویل ہیں، یہاں آپ کے سامنے کتاب مناقب العارفین کے مصنف مولوی محمد حسین صاحب مرحوم رام پوری کے بہ دراست بنے ہوئے ان الفاظ کو میں نقل کرنے کی جرأت کر رہا ہوں جن کے سوچنے کی بھی تاب شاید کوئی مسلمان نہیں لا سکتا، لیکن "نقل کفر کفر نباشد" قرآن میں بھی فرعون و نمرود کے اقوال نقل کئے گئے ہیں بہرحال مولوی محمد حسین صاحب رامپوری مرحوم جو خود صوفی المشرب بزرگ اور بڑے بادب آدمی ہیں انھوں نے ہندوستان کے صوفیہ کا ایک تذکرہ مناقب العارفین کے نام سے مرتب کیا ہے، اسی میں اس کی تصریح کرتے ہوئے کہ "نوشاہی" نام والے فقیروں کو میں نے خود دیکھا ہے اپنے کانوں کی سنی ہوئی باتیں

"قرآن مجید را اسجار سینہ پیغمبر می گفت و ایں حروف و الفاظ و آیات قرآن مکتوبہ را کلام الٰہی نمی دانست (ص۲۵ مناقب)

قرآن کو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سینے کا بخار کہا کرتا تھا اور قرآن میں جو الفاظ اور آیتیں لکھی ہوئی ہیں ان کو وہ کلام الٰہی نہیں سمجھتا تھا۔

اور خاک بلکہ غلاظت بہ دہن او شاں "گستاخیوں میں ترقی کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ جاتے تھے کہ "قرآن عزیز" کا ذکر کر کے (قاتلہم اللہ) کہا کرتے کہ

در کشمیر پارچہ حیض زناں را کوفتہ کاغذی سازند	کشمیر میں ایام کے کپڑوں کو کوٹ کر کاغذ بناتے ہیں اور
دراں خودمی نویسند ومی گویند کہ قرآن ست صہ	اسی کاغذ پر خود مسلمان لکھ دیا کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ
	یہ . . . . ہے۔

گویا سینے پر پتھر رکھ کر کانپتے اور لرزتے ہوتے ہاتھ سے ان گندے الفاظ کو میں نے نقل کر دیا ہے جن کی توقع اسلام کے بدترین دشمنوں سے بھی نہیں کی جا سکتی لیکن "الروح" کے متعلق یہودی سوال کا جواب دیتے ہوتے قرآن میں مذکورہ بالا الفاظ جو پائے جاتے ہیں، یعنی دھمکی دی گئی ہے کہ وحی کرنے کے بعد قرآن کو میں اگر اٹھا لوں اور واپس لے لوں، تو پھر دنیا کی کوئی طاقت وکیل بن کر اسے روک نہیں سکتی، بلکہ یہی نہیں اسی سلسلہ میں آگے تو اس سے بھی زیادہ بیان کی پوری قوت کے ساتھ یہ بھی جتلا دیا گیا ہے یعنی اسی کے بعد قرآنی عظمت وجلالت والی مشہور آیت

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ	کہہ دو کہ اگر سارے انسان اور جن اکٹھے ہو کر چاہیں کہ
عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا	قرآن جیسی چیز کو حاصل کریں، تو ایسا وہ نہیں کر سکتے
یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا	خواہ ان میں بعض بعض کے پشت پناہ بن کر بھی کوشش
	کریں)

کو ہم اسی "الروح" والے سوال کے جواب کے بعد پاتے ہیں۔

بظاہر خیال ہوتا ہے، کہ "الروح" والے سوال سے قرآن کی عظمت وجلالت کا کیا تعلق؟ مگر روحانی کانڈ والوں کے ان نجس اور گندے تاریخی الفاظ کے سننے کے بعد بھی بے ربطی کا خیال دلوں میں باقی رہ سکتا ہے؟

قرآن نے "الروح" اور روحانی قوتوں کے بیدار کرنے والے مشاغل پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے اور حسب مادہ کے نوامیس و قوانین کی سراغ رسانی، اور جو معلومات ان قوانین و نوامیس کے متعلق حاصل ہوں ان سے کام لینے کی ممانعت نہیں کی گئی۔ ہے تو قدرت ہی کی طرف سے "الروح" میں جو قوتیں ودیعت کی گئی ہیں ان کے جاننے، اور رجان گران سے کام لینے پر اعتراض کرنے کی وجہ ہی کیا ہو سکتی ہے[1]۔

---

[1] بلکہ مادی اسلحہ کے مقابلہ میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان کو حاصل کریں، کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ روحانی قوتوں والوں (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

البتہ کہنے کی بات اس سلسلہ میں جو ہو سکتی تھی وہی کہی گئی کہ ان معلومات کی بضاعت مزجاۃ لوگوں کو دھوکے میں نہ ڈال دے، اور جیسے مادی قوانین کا علم اور اس علم کے نتائج ثمرات کو اپنے قابو میں پاکر رسالات و نبوات اور وحی کے علوم کا مضحکہ تاریخ کے مختلف ادوار میں بنی آدم نے اڑایا ہے، اسی کا خطرہ روحانی علوم اور ان علوم سے پیدا ہونے والے عملی نتائج کے متعلق بھی پیش آتا رہا ہے، بسا اوقات ہلدی کی چند گانٹھوں کے مل جانے کے بعد لوگ پنساری کی دکان کھول کر بیٹھ گئے، تھوڑے سے بہت معلومات بھی "اروح" کے متعلق کسی کو میسر آئے تو یہ دیکھا گیا ہے کہ وحی کے علوم کی عظمت ان کے دلوں سے کم ہونے لگی سب بے پروائیوں کے آغاز میں لوگ بارد توجیہوں سے ان پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ یہی دلی جس کے نوشاہی ابلیسوں کا مذکورہ بالا شیطانی فقرہ قرآن کے متعلق نقل کیا گیا ہے۔ اسی میں بارہویں صدی ہجری میں جب محمد شاہ بادشاہ دلی کے بادشاہ تھے، دکن کے ایک رئیس درگاہ قلی خاں دکن سے آئے تھے۔ اور اپنی ایک یادداشت میں دلی کی مجلسوں، اور شخصیتوں کے کچھ حالات قلم بند کئے ہیں ایک روحانی ہستی کو ان الفاظ میں روشناس کراتے ہوئے

«قدوہ مشائخ شہر اند، و بہ نور اشتہار در ہمہ عالم علم»

یعنی شہر کے مشائخ کے پیشوا سمجھے جاتے تھے اور عام طور پر لوگوں میں مشہور بھی ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ۔

عمدہ ہائے بمقتضائے صفائے عقیدت بیش تر
بحدیث ایشاں مربوط اند و سائر الناس بہ
تقریب ارادت در سلسلۂ ایشاں منوط

یعنی شہر کے بڑے بڑے لوگ اور مقتدر ہستیاں انتہائی
عقیدت مندیوں کے ساتھ ان ہی درویش صاحب
کے مرید و معتقد ہیں اور عوام الناس بھی ارادت کا
رشتہ ان ہی کے سلسلے سے جوڑے ہوئے ہیں

یہ بھی لکھا ہے کہ ایک طرف۔

«حلقۂ ذکر ہمیشہ معمور است۔ و سماع در خدمتش بلا منت منزل و مستور»

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے مقابلہ کے لئے کوئی خاص طبقہ ان روحانی ہتھیاروں سے اگر مسلح رہنے کی کوشش میں مشغول رہتا ہے تو کم از کم مرا احتمال یہی ہے کہ ان کی سعی غالباً سعی نا مشکور نہیں ٹھہرائی جا سکتی ہے ۱۲۔

لیکن دوسری طرف دلی کے ان ہی "قدوۂ مشائخ شہر" کا حال یہ بھی تھا

"بہ تجرع دوام میل خاطری فرش می شود" یعنی ہمیشہ شراب کا دور بھی ان کے ہاں چلتا رہتا ہے

کتاب دہلی ۱۲۰۹ بارھویں صدی میں

نواب درگاہ قلی خاں نے ذکر کرنے کی حد تک "بہ تجرع دوام" کا ذکر تو کر دیا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ

"غالباً بنابر مصلحتے باشند و ظاہر آبرا تے عکتے"

کی چادر بھی شاہ صاحب کے "ساغر دمینا" پر ڈال دی ہے۔ اور یہ صاحب تو خیر زندگی ہی میں بیتے تھے۔ بارھویں صدی کی دلی کے اسی سیاح اور سوانح نگار نے ایک موقع پر یہ خبر بھی دی ہے کہ "احدی پورہ" نامی محلہ میں کسی صاحب کی قبر ہے، اس قبر کو سال کی کسی خاص تاریخ میں

بشراب ناب می شویند — خالص شراب سے لوگ دھوتے اور نہلاتے ہیں

پھر طوائف کا ناچ بھی رات بھر مزار پر ہوتا ہے، طرفہ ماجرا یہ ہے نواب صاحب نے لکھا ہے کہ

مدد ایں حرکات را ذریعہ ترویح روحش می دانند — اور ان ساری باتوں سے لوگ خیال کرتے ہیں کہ قبر والے

دلی بارھویں صدی میں ۲۷ — صاحب کی روح کو راحت پہنچتی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔ صاحب قبر کی زندگی کی عادت کو مرنے کے بعد زندہ رکھنے کی کوشش اس تدبیر سے کی جاتی تھی، یا یاروں کا یہ بھی ایک خود ساختہ مذاق تھا۔

بہر حال میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ "الروح" کے علم قلیل ہی کے یہ نتائج و ثمرات ہیں، ابتداء اس کی شرعی قوانین کے عدم احترام سے ہوتی ہے اور آخر میں العیاذ باللہ آپ نے دیکھ لیا کہ خود قرآن "پیغمبر کے سینے کا ابخرہ برآمد کردہ" جاتا ہے۔ حالانکہ ان احمقوں کو اس کا اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ "الروح" کی قوتوں سے کام لینے کے بعد بھی "الروح" جو خود ان کی ذات ہی کی تعبیر ہے، جب اسی کی اصل حقیقت ان پر جیسی کہ چاہئے۔ صحیح معنوں میں واضح نہیں ہوتی، تو زندگی کے بنیادی سوالات مثلاً یہی کہ زندگی بلکہ خود کائنات جس میں ہماری زندگی بھی شریک ہے اس کی ابتداء کیا ہے اس کی انتہا کیا ہے، اس کا مدعا کیا ہے؟ ان سوالوں کے جوابوں کو دمی کے علوم نے جو وقت عام کر دیا ہے، ہر کہ و مہ تک ان جوابوں کو خالق کائنات کے ترجمانوں یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام نے پہنچا

دیا ہے۔ کیا وحی کے علوم کی روشنی کے بغیر ہم ان جوابوں تک "الروح" اور روحانی کاروبار والے مشاغل سے پہنچ سکتے تھے اور کون نہیں جانتا کہ زندگی کا یہ سفر ان جوابوں کے جانے بغیر کتنا بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایسا مسافر جو نہ یہ جانتا ہو کہ وہ کہاں سے آرہا ہے، کہاں جارہا ہے کیوں جارہا ہے؟ دیوانے مسافر کے سوا کچھ اور بھی ہے، یقیناً زندگی پاگلوں کا ایک خواب بن کر رہ جاتی، پھر قرآنی وحی سے پہلے تاریخی حالات نے گذشتہ وحیوں کے علوم اور آگاہیوں کو قطعی اعتماد اور لازوال یقین کی قوتوں سے جو محروم کر دیا ہے جن لوگوں کو اس کا صحیح اندازہ ہے۔ اور آبائیت[1] کی آفت سے جن کے دماغ ماؤف نہیں ہیں، وہی سمجھ سکتے ہیں کہ ان ہی عام بیلے ہوئے جوابوں میں قرآن کی آخری وحی نے یقین و اذعان کی کتنی غیر معمولی تر و تازہ نئی قوت بھر کر جیتے جاگتے، زندہ جاوید جوابوں کا قالب ان کو عطا کر دیا ہے۔ سچ پوچھئے تو قرآن ہی کی تصدیق و تصحیح و تکمیل ہی کی بدولت مذاہب کی یہ ابدی صداقتیں غیر فانی بن گئی ہیں۔ بلکہ "الروح" کے متعلق اسی یہودی سوال کے جواب کے سلسلے میں قرآنی وحی کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہوئے درمیان میں جو یہ فرمایا گیا ہے۔

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا	(یعنی قرآنی وحی) صرف تیرے رب کی اس رحمت کا نتیجہ ہے جو تجھ پر ہے بلاشبہ اللہ کا تجھ پر بہت بڑا فضل ہے

ان الفاظ کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ بھی وہی کر سکتے ہیں، جو زندگی کے ان بنیادی سوالوں کے جوابوں کی اہمیت سے بھی، اور دلوں میں شعوری و غیر شعوری طور پر ان جوابوں کے متعلق بے اطمینانی شک و ریب کی جو کیفیتیں قرآنی وحی سے پہلے تاریخی حوادث و واقعات کے زیر اثر پیدا ہو گئی تھیں، ان سے بھی صحیح واقفیت حاصل

---

[1] یعنی آبا، یا باپ دادوں کی روش اور طریقۂ زندگی کو حق و باطل کا معیار بنا لینے یا کسی طریقۂ زندگی کی صحت پر اس لئے اصرار کرنا کہ اصرار کرنے والے کے والد مرحوم یا دادا مرحوم کا طریقہ تھا، اسی کا نام آبائیت ہے مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاءَنَا کے قرآنی الفاظ سے یہ اصطلاح ماخوذ ہے یورپ نے آبائیت کی اسی احمقانہ ذلیل ذہنیت پر کلچر کے لفظ کا لفافہ پہنا کر پھر کچھ دن کے لئے اس ذہنیت کو بے وقوفوں کے لئے دل چسپ بنا دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ باہر سے چڑھایا ہوا یہ لفافہ دیر تک باقی نہیں رہ سکتا ہے۔

کرنے کا موقع میسر آیا ہو۔

بلا شبہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت و کرم اور اس کے "فضل کبیر" نے یقین سے محروم انسانیت کے سامنے زندگی کے اس سفر کو جو اندھیرے میں جاری تھا، پھر روشنی کی ایسی راہ پر لگا دیا ہے، جس کے متعلق بجا طور پر کہا جا سکتا ہے، کہ لیلھا و نھارھا سواء (دن اور رات دونوں اس کے لئے برابر ہیں) اور یہ تو خیر زندگی کے بنیادی سوالوں کے جوابات کی حالت ہے میرا ذاتی احساس بغیر کسی جنبہ داری کے یہ ہے کہ القرآن العظیم جو براہ راست حق تعالیٰ کے فرامین اور بخشے ہوئے معلومات پر مشتمل ہے وہی نہیں بلکہ اس کے مقابلہ میں سورۃ الفاتحہ" جو بندوں کی طرف سے بارگاہ الٰہی میں درخواست ہے، یہی درخواست اور یہی دعا، اس کا ایک ایک فقرہ جامعیت و بلاغت اور گہری معنویت کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ دعاؤں کی فہرست میں ایسی دعا، کم از کم فقیر کی نظر سے نہیں گذری ہے اور چالیس پچاس سال کے مسلسل غور و فکر نے اس نتیجہ تک پہنچایا ہے کہ جب سمجھ لیا جاتا ہے کہ اب کوئی نئی بات ایسی باقی نہیں رہی، جو سمجھ میں نہ آئی ہو تو اسی وقت پھر کسی نئے راز کا انکشاف ہوتا ہے اور یقین کرنا پڑتا ہے کہ جیسے قدرت کا ہر کام لامحدود اسرار و رموز کا گنجینہ ہے، بجنسہ یہی حال اس قدرتی کلام کا ہے جسے ہم قرآن کہتے ہیں اور جیسے ذرہ سے لے کر آفتاب تک جیسی چیزوں کو بنانے سے انسان عاجز ہے، اسی طرح قرآن کی بھی چھوٹی سے چھوٹی آیت کا بنانا آدمی کے بس کی بات نہیں۔ قرآن کسی انسان کا مصنوعی کلام نہیں ہے اس دعوی کی فطری دلیل یہی ہو سکتی تھی کہ کوئی اس جیسا کلام بنا نہیں سکتا اور اسی کو بار بار قرآن میں پیش بھی کیا گیا ہے

سلسلہ تاریخ ملت — نبی عربی صلعم

تاریخ ملت کا حصہ اوّل جس میں متوسط درجہ کی استعداد کے بچوں کے لئے سیرت سرور کائنات صلعم کے تمام اہم واقعات کو تحقیق، جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جدید ایڈیشن جس میں اخلاق سرور کائنات صلعم کے اہم باب کا اضافہ کیا گیا ہے اور آخر میں ملک کے مشہور شاعر جناب ماہر القادری کا سلام بہ درگاہ خیر الانام بھی شامل کر دیا گیا ہے کورس میں داخل ہونے کے لائق کتاب ہے۔ قیمت ۸؍ مجلد ۱۲؍ بقیہ حصص، خلافت راشدہ ۸؍، خلافت بنی امیہ ۸؍۔ خلافت ہسپانیہ ۱۲؍، خلافت عباسیہ اول ۱۲؍۔ خلافت عباسیہ دوم ۱۲؍، تاریخ مصر ۸؍، خلافت عثمانیہ ۸؍۔